گذشتہ سے پیوستہ

مولانا ابو تراب محمد حسین صاحب مرحوم ہزاروی

تحقیقِ تقلید

ہم اس جگہ اس باب کا دجو اگرچہ غیر موزوں معلوم ہوتا ہے) اضافہ کئے دیتے ہیں تاکہ امام صاحبؒ کی دیگر ابو حنیفوں سے کوئی خاص خصوصیت اور علامت نمایاں ہو جائے، آپؒ کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ آپ کے مکان میں خز بافی یعنی ریشمی کپڑا بننے کا بڑا کارخانہ تھا۔ حنفی مذہب کے مشہور فتاویٰ برہنہ کے چھبیسویں باب میں بھی یوں آیا ہے کہ "حرفت وے صنعت خزازی بود وے را کارخانہ بود بزرگ در آں خزازی مے کرد"
ہاں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کی کتنی پشت سے یہ کام نساجی کا ہوتا ہوا چلا آتا تھا۔ علامہ شبلی نے بھی سیرت النعمان میں امام صاحبؒ کا خز باف ہونا ثابت کیا ہے، اور آپ کے خاندان میں بھی کپڑا بننے کا پیشہ ثابت ہوتا ہے، گو بعد میں اس سے کنارہ کشی کی گئی اور آپ کے پوتے عہدۂ قضاء پر مامور ہو گئے۔ اور اسی طرح ہر زمانہ میں دستور چلا آیا ہے کہ لوگ زیادہ تر دوسرے کام کرنے لگ جاتے ہیں اور دو تین پشت گذرتے پر اس کام سے کوئی مناسبت ہی باقی نہیں رہتی بلکہ جہاں کچھ دولت مند ہوئے یا علم و فضل ہوا تو بس پارچہ بافی کی صنعت کو متروک کر دیا گیا۔

علامہ ابن عابد بن شامی لکھتے ہیں وَقَدْ تَوَلَّهَا قَوْمٌ صَالِحُوْنَ یعنی اس پیشہ کو صالحین (بزرگانِ دین) کی ایک جماعت نے کیا ہے۔ پہلے اس پیشہ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور زمانہ کی گردش سے اب پھر اس پیشہ کو عزت مل رہی ہے یعنی جب سے خلافت والوں اور شردھانندجی نے کھدر کی تحریک شروع کی ہے بڑے بڑے لوگ خود چرخہ کاتنے اور کپڑا بننے کو فخر یہ اختیار کر رہے ہیں اگر آئیے لگے ہاتھوں میں آپ کو یہ بھی سنا دوں کہ بزرگانِ دین میں سے صرف امام اعظمؒ ہی نے اس پیشہ کو اختیار نہیں فرمایا بلکہ بڑے بڑے امام مجتہد، مفتی، قاضی بلکہ صحابہؓ اور بعض نبیوں نے بھی یہ کام کیا ہے جس کی مختصر فہرست تاریخ منوال سے درج کیجاتی ہے۔

(۱) حضرت ابو ایوب انصاریؓ جو مشہور صحابہ میں سے تھے کپڑا بننے کا کام کیا کرتے تھے۔

(۲) امام ابو بکر محمد بن بشار جو حافظ الحدیث اور امام بخاریؒ و مسلمؒ کے استاد بھی تھے باقندی تھے۔

(۳) ناصح بن عبداللہ الکوفی جو ایک صوفی مرد اور محدث تھے نور باف تھے۔

(۴) فرقد سنجی تابعی حضرت انسؓ کے شاگرد کپڑا بنتے تھے۔

(۵) جنابِ اسمٰعیل الحائک مفتی تمام کپڑا بُنا کرتے تھے۔

(۶) جمشید بادشاہ وہ شخص ہے جو جم جام کے نام سے مشہور ہے جامع التواریخ میں لکھا ہے کہ بافندہ تھا۔

(۷) شاہ سکندر ذوالقرنین بھی کپڑا بُننے والے کی اولاد تھے۔ ذوالقرنین کے بارے میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کا اصلی نام صعب بن جبل تھا باب ان کے جولاہے تھے اُن کا نام ہیلانہ تھا، پہلے یمن کی قوم بنی حمیر میں بحالتِ یتیمی گذارہ کرتے تھے۔

(۸) خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ جو صوفیوں کے سردار عاشقِ سنّت تھے، یہ اور ان کے والد بزرگوار شیخ محمد بخاری پارچہ بافی کا کام کرتے تھے، شیخ مومن نور باف تھے۔ کمخواب بُنتے اور اس میں نقشبندی کرنے، بڑے صناع تھے۔ وجہ تسمیہ میں خود شیخ کا قول "سفینۃ الاولیاء" میں یہ لکھا ہے:۔

"کہ حضرت مے فرمودند من و پدر من بصنعت کمخواب بافی (جولاہگی) و نقشبندی مشغول مے بودیم"۔ (منوال ص۲۸)

(۹) امام احمد بن محمد بن احمد بن عمر بن میمون سلمی غزال یعنی سوت باف تھے۔

(۱۰) حمید بن الربیع اللخمی الخزاز الکوفی ریشم بافی کا کام کرتے تھے۔

(۱۱) محمد بن حسان الکوفی بھی خزاز یعنی ریشم باف تھے۔

(۱۲) یزید بن سنان القرشی البصری القزاز نزیل مصر تسر باف تھے۔

(۱۳) عیسیٰ بن میمون الخزاز البصری ریشم باف تھے۔

(۱۴) زیاد بن الحسن بن الفرات التیمی قزاز کوفی کسر باف تھے۔

(۱۵) فضل بن غنیمہ محدث بھی پارچہ باف تھے۔

(۱۶) امام ابوبکر نساج بافندہ تھے۔

(۱۷) شیخ عبدالقدوس گنگوہی از فرزندانِ امام اعظمؒ اند۔

(۱۸) مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی جو ایک مشہور و معروف اور جامع معقول و منقول عالم گذرے ہیں اُن کی نسبت بھی یہی مشہور ہے کہ وہ شیخ نور باف کی اولاد میں سے ہیں۔

(۱۹) کثیر ابن جریر طبری و تفسیر ابن کثیر وغیرہم میں لکھا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ جس کو اللہ تعالےٰ نے صالح فرمایا ہے اور جس کی اولاد کی خدمت حضرت خضرؑ سے لی گئی (یعنی جن یتیم بچوں کی دیوار کو حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے بنایا تھا) وہ بھی نساج یعنی کپڑا بننے والا تھا۔

(۲۰) حضرت آدم، حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام کے متعلق بھی کتب سیر میں لکھا ہے کہ ان پیغمبروں نے بھی کپڑے بُنے۔ اسد الغابہ میں یزید بن عمر بن معافری کی روایت سے لکھا ہے اور انہوں سے نے ابو ثور فہمیؓ صحابی سے روایت کی کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کوئی کپڑا مقام معافر کا بنا ہوا آپؐ کے پاس لایا گیا، ابو سفیانؓ نے کہا کہ خدا کی لعنت ہو اس کپڑے پر اور اس کے بنانے والے پر۔ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ان لوگوں پر لعنت نہ کرو وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں"۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس پیشہ کے کرنے والوں کی اہمیت اور قدر معلوم ہو سکتی ہے۔ نیز خیال کیا جا سکتا ہے کہ جب ایسے ایسے مقدس حضرات پیغمبر، صحابی، تابعی، اولیاء اللہ، صوفی، عالم، بادشاہ، فقیہ، محدثؒ غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ یہ کام کرتے آئے ہیں تو آج اس پیشہ کے کرنے والوں کو کیوں ذلت اور ناقدری کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی غلطی اور سخت غلطی ہے کہ وہ اونچی اور نیچی ذاتوں کے خیال میں پڑ کر اس صنعت و حرفت اور تجارت کو ہاتھوں سے کھو رہے ہیں اور جہاں وہ دنیاوی رنگ میں إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ کو بھول کر قوموں اور ذاتوں کی بحث میں پڑ گئے ہیں وہاں دینی رنگ میں بھی اپنے اصل نام محمدی کو چھوڑ کر حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کہلا رہے ہیں اور انہیں جھگڑوں میں اپنی عمریں ضائع و تباہ کر رہے ہیں۔ ؎

دین حق را چار مذہب ساختند   رخنہ در دینِ نبیؐ انداختند

وجہ تسمیہ امامِ اعظمؒ

آخر یہ جو چار مذہب مشہور ہیں اور چاروں اماموں کی نسبت سے منسوب ہو چکے ہیں، طبعاً یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ان چاروں اماموں سے امام ابو حنیفہؒ کا مرتبہ زیادہ ہے جو ان کو امام اعظمؒ کہا جاتا ہے یا امام صاحب موصوف کو امام اعظم لقب ملنے کی وجہ کچھ اور ہے؟

اس کا مختصر اور صحیح جواب تو یہ ہے کہ بیشک ہمیں امام صاحبؒ کا زہد و اتقاء مسلّم ہے مگر علمی رنگ میں آپ کو دوسروں پر فوقیت اور ترجیح دے دینا انصاف کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ دنیا میں ہر عالم سے بڑھ کر عالم ہوتے آئے ہیں اور ہوتے چلے جائیں گے۔ جو لوگ فقہاء سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے سات مشہور (تابعین) اماموں سالمؒ بن عبد اللہ، خارجہ بن زید، عروہ بن زبیرؒ، سلیمانؒ بن یسار، سعیدؒ بن المسیب، قاسمؒ بن محمد، عبیدؒ اللہ بن عبد اللہ ہذلی وغیرہ کے ناموں اور اُن کی علمیت و خدمتِ افتا کی شہرت سے واقف ہیں وہ غالباً اس بھرے بنا میں آ کر امام صاحبؒ کو ہی بھول جائیں گے اِن

ساتوں پر ہی کچھ موقوف نہیں اُمتِ محمدیہ میں اس وقت اور خود ان کے زمانہ میں اس قدر امام اور مجتہدین طبقۃً بعد طبقۃٍ گذرے ہیں کہ اس وقت ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ کتبِ تاریخ مثل تاریخ الاسلام للذہبی، تذکرۃ الحفاظ للذہبی، کامل ابنِ اثیر، تاریخ ابن خلکان، تاریخ ابن الوردی، طبقات ابن رجب، کتاب الحفاظ ابن حجر، کتاب الشیخ جلال الدین سیوطی وغیرہا کو ذرا ایک نظر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک ایک وقت میں کتنے کتنے مجتہد و امام گذرے ہیں (یہ بھی ہمارے پیغمبر صاحب کا ایک معجزہ ہے کہ اُن کی اُمت میں اس قدر اور ایسے ایسے جلیل القدر عالم ہوئے) جو اجتہاد کے بڑے سے بڑے پایہ پر پہنچے اور بہت سے صاحب مذہب مستقل کہلائے، مگر جن کا زمانہ مساعد ہوا اور اسباب موافق مہیا ہو گئے اُن کا نام آگے کو بھی چل نکلا اور عوام و خواص سب نے اُن کو جان لیا، اور جن کو یہ باتیں نصیب نہ ہوئیں نہ وہ آگے کے لئے مشہور ہوئے اور نہ سوائے خواص کے عام لوگ ان سے واقف ہوئے بلکہ تمام لوگ یہی سمجھتے رہے کہ سوا ان کے جن کو ہم جانتے ہیں اور کوئی امام نہیں ہوا اور یہی ساری دنیا کے لئے امام کر کے بھیجے گئے۔ چنانچہ غور کرنے پر آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ ان چاروں کی شہرت اور ان کے مذاہب کے چل نکلنے کی وجہ بھی انہی اسباب میں مہیا ہے، مثلاً ان کی نیک نیتی، ذاتی خوبیاں، کثرتِ تلامذہ، عمدہ تصانیف، ملکی خدمات اور معزز عہدوں کے ساتھ ممتاز ہونا اور سلطنت کے ساتھ رسوخ حاصل کرنا اور ملک میں با اختیار ہونا۔ اگرچہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کو بھی ان میں سے بہت سی باتیں نصیب تھیں جن کے باعث ان کی شہرت ہوگئی، مگر امام صاحبؒ کے سلسلہ کو آخری چار باتیں نصیب ہوئیں جن کی وجہ سے دُنیا میں آپ کا مذہب سب سے زیادہ ہوگیا اور آج برادرانِ احناف کو جو اصل حقیقت اور وجوہ شہرت و اسباب و وسائل اشاعتِ مذہب سے نابلد ہیں یہ کہنے کی جرأت ہوگئی کہ چونکہ ہمارا مذہب سب سے سچا ہے اس لئے تو ہماری کثرت ہے) شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی جو بڑے پایہ کے عالم اور فریقین کے مسلمہ سردار گذرے ہیں، اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کے صفحہ ۱۵۱ پر ہمارے اس بیان کی تصدیق فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے: "امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور امام ابو یوسفؒ تھے وہ خلیفہ ہارون الرشید کے وقت میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے یہ سبب ہوگیا امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پھیلنے اور اسی کے موافق فیصلجات ہونے کا اضلاع عراق و خراسان و ماوراء النہر میں۔ الیٰ آخرہ"۔

علامہ قاضی ابن خلکانؒ بھی ہماری تائید میں فرماتے ہیں لَوْلَا اَبُوْ يُوْسُفَ مَا ذُكِرَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ۔

یعنی اگر ابو یوسفؒ نہ ہوتے تو امام ابو حنیفہؒ کی کبھی شہرت ہی نہ ہوتی۔

علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب "سیرۃ النعمان" میں امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ خلیفہ مہدی عباسی نے سنہ ۱۶۶ھ میں ان کو قضا کی خدمت دی، مہدی کے بعد اس کے جانشین ہادی نے بھی ان کو اسی عہدہ پر بحال رکھا

لیکن ہارون الرشید نے ان کی لیاقتوں سے واقف ہوکر تمام ممالکِ اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ (ص۲۹۶) بس پھر تو خلیفہ ہارون الرشید کے تمام ممالک محروسہ کی (جو کہ ایک نہایت وسیع سلطنت تھا) کل سررشتہ ان کے ہاتھ میں تھا ہی جس کو چاہتے کسی جگہ کا قاضی و مفتی مقرر کر دیتے پھر بھلا ایسی صورت میں آپ کا مذہب ترقی اور اشاعت نہ پکڑتا تو اور کیا ہوتا؟ امام ابویوسفؒ امام صاحبؒ کے بڑے مخلص شاگرد تھے (اور کیوں نہ ہوتے جبکہ امام صاحبؒ نے تعلیم دینے کے علاوہ اُن کی غربت اور مسکنت کو دیکھ کر ان کی مالی اعانت اور پرورش بھی اپنے ذمہ لے لی، اگر ایسی حالت میں امام صاحبؒ اپنے شاگرد امام ابویوسفؒ کی اعانت و دستگیری نہ فرماتے تو امام ابویوسفؒ علم ہی حاصل نہ کر سکتے۔ دیکھو سیرۃ النعمان ص۲۹۵) لہٰذا انہوں نے بھی اپنے استاذ کا نام خوب روشن کیا اور اُن کے نام کا مذہب تمام ممالکِ مشرق میں پھیلا دیا اور اس کو گویا قانونِ سلطنت قرار دے دیا، خلیفہ وقت کو بھی آپ سے کچھ خاص اُنس ہو گیا تھا (کیونکہ آپ نے چند مسائل خلیفہ کی خواہش کے موافق، جن کے ویسا ہی ہونے کی خلیفہ کو بہت خواہش تھی۔ دیکھو تاریخ الخلفاء) اس وجہ سے خلیفہ اُن کی بہت خاطر کرتے تھے بلکہ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ یہ کبھی معزول نہیں ہوں گے۔ (دیکھو تاریخ ابن خلکان) اس لئے آپ کو ہر طرح سے آزادی تھی بس جی کھول کر اطراف و اکناف میں فقہ حنفی کو رواج دیا اور چاردانگ عالم میں اپنا ڈنکا بجا دیا۔

پس ان مذکورہ بالا باتوں کو جو تاریخی حوالہ جات سے متحقق ہو چکی ہیں بنظرِ امعان دیکھنے پر صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ کا یہ لقب "امام اعظم" دیگر ائمہ عظام کے مقابلہ میں نہیں ہے بلکہ فقہ حنفیہ کے سارے مسائل کا دارومدار جن اماموں پر ہے آپ کو صرف اُن میں سے ممتاز کرنے کے لئے مصنفین کتب حنفیہ نے "اعظم" کا لقب دے دیا ہے۔ اب چونکہ حنفی فقہ کا زیادہ تر دارومدار ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال پر ہے اور امام صاحبؒ ان دونوں کے استاد اور یہ دونوں شاگرد ہیں اس لئے ان کو "امام اعظم" کہہ دیا گیا۔ اور یہ دونوں ان کے مقابلہ میں صاحبین کہلاتے ہیں اور پھر چونکہ امام محمدؒ امام ابویوسفؒ کے بھی شاگرد ہیں اس وجہ سے امام محمدؒ کے مقابلہ میں وہ دونوں جو ان کے استاد ہیں "شیخین" کہلاتے ہیں۔ غالباً یونہی یہ لقب شروع ہوا اور جب زیادہ مشہور ہو گیا تو معتقدین کی زبانوں پر اور بعض دوسری کتابوں میں بھی ذکر کیا جانے لگا جیسا کہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر مرید اپنے پیر کو اور ہر شاگرد اپنے استاد کو بڑا کہا کرتا ہے اور اس کی عظمت و بڑائی میں اپنا فخر سمجھتا ہے، بس یونہی سمجھ لیجئے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو "امام اعظم" کا لقب دیا گیا ہے۔

فرقہ بازیاں

اسلام میں سب سے پہلا فرقہ جو پیدا ہوا وہ شیعہ کا تھا، ان کو شروع ہی اہلسنت والجماعت (یعنی اہلحدیث)

سے کچھ ایسا بغض اور عناد ہوگیا کہ وہ دن بدن بڑھتا ہی گیا، آگے چل کر پھر لوگوں نے اماموں کے نام پر تقسیم کر لی۔ جو شخص جس کے فتویٰ پر عمل کرتا اُسی کو اپنا پیشوا سمجھتا۔ چنانچہ پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے۔ پھر جس کیلئے زمانہ نامساعد ثابت ہوا اس کا سلسلہ اور اس کا نام اس کی زندگی تک ہی ختم ہوگیا حتیٰ کہ کچھ عرصہ کے بعد صرف چار نام ہی ایسے نکلے کہ جن کے ماننے والے بکثرت اور اس سلسلہ کو بڑھانے والے کافی پیدا ہو گئے، چنانچہ سلاطین کا میلان بھی تقلید ہی کی طرف ہوگیا، ہر ایک بادشاہ اپنے ہم مذہب کو قاضی مقرر کرتا ہر ایک فرقہ اپنے مذہب کو فروغ اور دوسرے کو زیر کرنے کی تدبیریں اور کوششیں کرتا اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتا کبھی کوئی غالب ہو جاتا تو کوئی مغلوب، یوں ہی تفضیے جھگڑے ہوتے رہے بالآخر شاہ بیبرس کے زمانہ میں ۶۶۵ھ میں چار مذہب کے چار قاضی مقرر ہوئے، چنانچہ خَبِیْئَۃُ الْاَکْوَانِ فِیْ اِفْتِرَاقِ الْمَذَاهِبِ وَالْاَدْیَانِ — مطبوعہ مصر کے صـ۲۲۴ میں ہے فَلَمَّا کَانَتْ سَلْطَنَۃُ الْمَلِکِ الظَّاهِرِ بِیْبَرَاسَ الْبَنْدُقْدَارِیِّ وَلّٰی بِمِصْرَ وَالْقَاهِرَۃِ اَرْبَعَۃَ قُضَاۃٍ وَهُمْ شَافِعِیٌّ وَمَالِکِیٌّ وَحَنَفِیٌّ وَحَنْبَلِیٌّ فَاسْتَمَرَّ ذٰلِکَ مِنْ سَنَۃِ خَمْسٍ وَّسِتِّیْنَ وَسِتِّمِائَۃٍ حَتّٰی لَمْ یَبْقَ فِیْ مَجْمُوْعِ اَمْصَارِ الْاِسْلَامِ مَذْهَبٌ یُعْرَفُ مِنْ مَذَاهِبِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ هٰذِہِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَۃِ۔ (ترجمہ) ”جب حکومت سلطان ظاہر بیبرس بندقداری کا دورہ ہوا تو اُس نے مصر و قاہرہ میں چار قاضی چاروں مذاہب کے مقرر کئے، شافعی، مالکی، حنفی، حنبلی، پھر ۶۶۵ھ سے یہی طریقہ جاری ہوگیا یہاں تک کہ تمام اسلامی ممالک میں اُن کے علاوہ کوئی مذہب نہیں پہچانا جاتا۔“

تب سے گویا سرکاری طور پر چاروں مذہب تسلیم کر لئے گئے اور ان چاروں مذہبوں کی سلطنت حامی ہوگئی دان کے سوا اگر کوئی اور امام اُس وقت تھا بھی تو اُس کا کوئی پُرسانِ حال نہ تھا لہٰذا انہیں چاروں کو ترقی ہوئی اور ہونی چاہیئے تھی (اب دوسرے بے چارے گمنام اور نامعلوم نہ ہوتے تو اور کیا ہوتا؟) آخر سلطان فرح بن برقوق نے جو اشرملوک چراکسہ کہا جاتا تھا اول نویں صدی میں کعبہ شریف کے اندر چاروں مذاہب کے چار مصلے بھی قائم کر دیئے اور اچھی طرح سے دینِ محمدی کو چار حصوں اور چار جماعتوں پر تقسیم کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ کسی عارف صادق نے اس موقع پر کیا ہی خوب کہا ہے ؎

دینِ حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دینِ نبی انداختند

چار مصلّے

مصلّے تو چار قائم ہو گئے مگر حق شناس علماء نے اسے معیوب جانا اور اس تقسیم کو احداث و بدعت قرار دیا چنانچہ "ارشاد السائل الی دلیل المسائل" میں امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ عِمَارَةُ الْمَقَامَاتِ بِمَكَّةَ الْمُكَرَّمَةِ بِدْعَةٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ اَحْدَثَهَا اَشَرُّ مُلُوْكِ الْجَرَاكِسَةِ فَرَجُ بْنُ بَرْقُوْقَ فِي اَوَائِلِ الْمِائَةِ التَّاسِعَةِ مِنَ الْهِجْرَةِ وَاَنْكَرَ ذٰلِكَ اَهْلُ الْعِلْمِ فِي ذٰلِكَ الْعَصْرِ وَوَضَعُوْا فِيْهِ مُؤَلَّفَاتٍ۔ (ترجمہ) کعبہ میں یہ چار مصلّے بدعت ہیں تمام مسلمانوں کے اجماع سے اوائل نویں صدی میں اس بدعت کو جاری کیا بدترین بادشاہ چراکسہ نے جس کا نام فرج بن برقوق تھا، اس زمانہ کے اہل علم نے اس پر انکار بھی کیا۔

زمانہ مابعد کے علماء نے بھی ان مصلّوں کے قائم کرنے کو امر زبوں اور بدعت کہا ہے، چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی اپنی تفسیر عزیزی مطبوعہ لاہور ص۴۵۶ میں تحت آیت وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ یعنی خدائے تعالےٰ بے خبر نیست از آنچہ در زمان آئندہ عمل خواہد کرد موازاہ بدعت ہر یک جہت را از جہات کعبہ تقسیم خواہید نمود در ترجیح و تفضیل جہت مختارہ خود ہر کس سخنے خواہد آورد، مثلاً حنفیہ جہت جنوب را اختیار خواہند کرد و امام ایشاں جانب شمال کعبہ خواہد استاد و در مقام فخر خواہند گفت کہ قبلہ ما قبلہ ابراہیمؑ است زیرا کہ آنجناب جانب میزاب متوجہ می شوند و شافعیہ جہت غرب را اختیار خواہند کرد و امام ایشاں در شرقی کعبہ خواہد استاد و در مقام فخر خواہند گفت کہ استقبال باب کعبہ می نمائیم و قبلہ ما قبلہ منصوصہ است کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ..... وَعَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ اہل بلدان مختلفہ در ترجیح جہات خود ہمیں قسم نکات خواہند بر آورد، لیکن ایں ہم نکات شعریہ است و نزد اہل دین قابل التفات نیست، حکم نازل از پروردگار تو ہمیں قدر است کہ استقبال کعبہ را التزام باید نمود در سفر و حضر ہجرت از شہرے بشہرے اورا از دست نباید داد۔ (ترجمہ) اللہ تعالےٰ بے خبر نہیں ہے جو کچھ کہ یہ زمانہ آئندہ میں عمل کریں گے، اطرافِ کعبہ میں بدعت کی وجہ سے ایک ایک طرف کو تقسیم کر لیں گے اور جس طرف کو اختیار کریں گے، اس کی تفضیل و ترجیح کے لئے دلیلیں لائیں گے، مثلاً حنفیہ جہت جنوب کو اختیار کریں گے اُن کا امام کعبہ سے شمال کی طرف کو کھڑا ہو گا اور بطور فخر کے کہیں گے کہ ہمارا قبلہ قبلہ ابراہیمی ہے اس واسطے کہ جناب ابراہیمؑ میزاب کی طرف منہ کیا کرتے تھے اور شافعیہ غربی سمت کو اختیار کریں گے اور اُن کا امام کعبہ سے جانب مشرق کھڑا ہو گا اور فخر کے طور پر کہیں گے کہ ہم باب کعبہ کا استقبال کرتے ہیں

ہمارا قبلہ، قبلہ منصوصہ ہے وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ۔ اور اس قیاس پر مختلف شہروں کے لوگ اپنی اپنی اختیار کی ہوئی جہات کی ترجیح میں اسی قسم کے نکتے پیدا کریں گے لیکن یہ تمام شاعرانہ نکتے ہیں اور اہلِ دین کے نزدیک قابلِ التفات نہیں، اللہ پاک کا حکم تو صرف اتنا ہی ہے کہ کعبہ کی طرف لازمی طور پر منہ کرو اور اس کو سفر و حضر اور ایک شہر سے دوسرے شہر کو جاتے ہوئے نہ چھوڑو۔

مولوی رشید احمد صاحب حنفی گنگوہی رح اپنی کتاب "سبیل الرشاد" مطبوعہ بلالی پریس صفحہ ۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "البتہ چار مصلے جو مکہ معظمہ میں مقرر ہیں لاریب یہ امر زبوں ہے کہ تکرار جماعت و افتراق اس سے لازم آگیا کہ ایک جماعت کے ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت بیٹھی رہتی ہے اور شریکِ جماعت نہیں ہوتی اور مرتکبِ حرمت ہوتے ہیں مگر یہ تفرقہ ائمہ دین حضرات مجتہدین سے ہے نہ علماء متقدمین سے بلکہ کسی وقت سلطنت میں کسی وجہ سے یہ امر حادث ہوا ہے کہ اس کو کوئی اہل علم اہلِ حق پسند نہیں کرتا، پس یہ طعن نہ علماء اہلِ حق مذاہبِ اربعہ پر ہے بلکہ سلاطین پر ہے کہ مرتکب اس بدعت کے ہوئے"۔ (الغرض یہ مصلے بدعت ہیں)

چار مذہب

جب مکہ مکرمہ میں چار مصلے قائم ہو گئے تو پھر عوام کے ذہنوں میں یہ بات بھی اچھی طرح سما گئی کہ یہ چاروں مذہب اور ان کی تقلید اصلی طریقۂ اسلام و عین حکم الٰہی ہے جس کی مخالفت کسی مسلمان کو جائز نہیں اور جس نے اس کا خلاف کیا اُس نے اسلام اور اصل طریقۂ اسلام کا خلاف کیا حالانکہ اس کی اصلیت صرف اسی قدر ہے جو معلوم ہو چکی اور چاروں مذاہب کا سلسلہ مجموعی ہیئت سے کہ چاروں مل کر ایک سمجھے جائیں جاری نہیں ہوا جیسا کہ اوپر ظاہر ہو چکا اور اگر ایسا ہوتا تو چار کہلاتے ہی کیوں؟

بلکہ اس کے برعکس ہر ایک دوسرے سے علیحدہ اور دوسرے کا حریف و مقابل بنا رہا اور دوسرے کو ہزیمت پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا اور ہر ایک کو دوسرے کا مذہب اپنے سے غیر اور خلاف معلوم ہونے لگا اور پھر ایک مذہب والا بمقابلہ دوسرے کے اپنے مذہب کی افضلیت و اولویت کے وجوہ و دلائل قائم کرنے لگا اور اس قسم کے بحث مباحثوں کو بہت کچھ ترقی ہو گئی خصوصاً جبکہ بعض سلاطین کو اس قسم کے مباحث کی طرف توجہ پیدا ہوئی تو ہر ایک مذہب کے لوگوں نے اپنے مذہب کے کچھ نہ کچھ وجوہات عقلی یا نقلی پیدا کر کے اس کو راجح ثابت کیا اور بعض نے تو اس مقصود کے حاصل کرنے کے لئے یہاں تک افراط و تفریط سے کام لیا کہ اپنے امام کی مدح و ثنا اور دوسرے امام کی مذمت و ذم

میں حدیثیں بنا بنا کر مشہور کیں کسی نے اپنے امام کے ایسے مبالغہ آمیز محامد اور دوسرے مذہب کے امام کی نسبت ایسے ناشائستہ الفاظ بولے جو کسی طرح زیبا نہ تھے کسی نے اپنے مذہب کی ترجیح ثابت کرنے کے لئے عمداً اصول کے ایسے قواعد تیار کئے جس سے اپنے مذہب کے مسائل چسپاں ہو جائیں اور مخالف کی بات کا رد ہو جائے گو ان قواعد سے کوئی دوسرا محذور ہی لازم آتا ہو۔

الغرض اس طور پر ان مذاہب اربعہ کی تقلید شخصی قائم ہوئی اور پیرو اس مذہب کے مقلد ٹھہرے کیونکہ اگر یہ لوگ تخصیص کے ساتھ ایک امام کے پابند نہ ہوتے بلکہ دیگر ائمہ کے اقوال پر بھی بلالحاظ خصوصیت عمل کرتے رہتے یا براہِ راست خود قرآن و حدیث سے استدلال کر کے عمل کرتے رہتے تو وہ پیرو یا مقلد اس امام اور اس مذہب کے کیوں کہلاتے، بجائے اس کے وہاں تو ہر مذہب علیحدہ علیحدہ تخصیص کے ساتھ قائم ہو گیا اور ہر فریق خصوصیت کے ساتھ اپنے امام کی تقلید کرنے لگا اور دن بدن اس کو ترقی اور پختگی ہوتی گئی اور اسی کے ساتھ ساتھ تعصب بھی بڑھتا گیا۔

احناف کی چند وضعی حدیثیں

ہم ابھی یہ ذکر کر آئے ہیں کہ ان چاروں فرقوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے امام کے محامد و فضائل میں یہاں تک مبالغہ سے کام لیا ہے کہ ان کی تعریف میں حدیثیں بھی گھڑ لی گئیں، چونکہ اس کتاب میں زیادہ تر احناف ہی کا تذکرہ ہے اس لئے ہم دوسروں سے قطع نظر کر کے احناف کے وہ اقوال نقل کئے دیتے ہیں جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق وضع کئے گئے ہیں، چنانچہ کہا گیا (۱) یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ اَبُوْحَنِیْفَۃَ ھُوَ سِرَاجُ اُمَّتِیْ (یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ایک شخص ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ[1] ہوگا وہ میری امت کے لئے سراج منیر ہوگا) پھر کہا گیا (۲) اِنَّ سَائِرَ الْاَنْبِیَآءِ یَفْتَخِرُوْنَ بِیْ وَاَنَا اَفْتَخِرُ بِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ مَنْ اَحَبَّہٗ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَہٗ فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ۔ (یعنی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب انبیاء مجھ پر فخر کرتے آئے ہیں اور مجھ کو ابوحنیفہ پر فخر ہے جو کوئی اسے محبوب رکھے گا گویا اس نے مجھے محبوب جانا اور جس نے اس سے دشمنی کی گویا اس نے مجھ سے عداوت رکھی) پھر کسی نے

---

[1] پھر نامعلوم بیسیوں ابوحنیفوں میں سے کون سا ابوحنیفہ تھا۔ ۱۲ منہ

یہ حدیث بنادی کہ (۳) اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِرَجُلٍ مِّنْ کُوْفَتِکُمْ ھٰذِہٖ یُکَنّٰی بِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ قَدْ مُلِئَ قَلْبُہٗ عِلْمًا وَّحِکَمًا وَّسَیَھْلِکُ قَوْمٌ وَاٰخِرُ الزَّمَانِ اَلْغَالِبُ عَلَیْھِمُ التَّنَافُرُ یُقَالُ لَھُمُ الْبُنَانِیَّۃُ کَمَا ھَلَکَتِ الرَّافِضَۃُ بِاَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایسے شخص کی خبر دیتا ہوں کہ جو کوفہ میں ہوگا اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی اُس کا دل و دماغ علم اور حکمت سے پُر ہوگا، وہ بنانیہ (ایک فرقہ ہے جو اس زمانہ میں زوروں پر تھا) کو ہلاک کر دے گا جیسے ابوبکرؓ اور عمرؓ نے رفض کو دور کر دیا) پھر یہ حدیث بھی مشہور کی گئی (۴) یَخْرُجُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ اَبُوْحَنِیْفَۃَ وَبَیْنَ کَتِفَیْہِ خَالٌ الخ (یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ابو حنیفہ ہوگا جس کی نشانی یہ ہوگی کہ اس کے دو کندھوں کے درمیان ایک سیاہ خال[1] ہوگا) پھر یہ حدیث بھی تراشی گئی (۵) لَوْکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مُوْسٰی وَعِیْسٰی مِثْلَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ لَمَا تَھَوَّدُوْا وَلَمَا تَنَصَّرُوْا (یعنی اگر میری امت میں ابو حنیفہ کی مثل موسیٰؑ اور عیسےٰؑ بھی ہوتے تو پھر نہ یہودیت پھیلتی نہ عیسویت) پھر یہ حدیث بھی وضع کی گئی (۶) سَیَاْتِیْ بَعْدِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہُ النُّعْمَانُ بْنُ الثَّابِتِ الْکُوْفِیُّ وَیُکَنّٰی بِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ لَیُحْیِیَنَّ دِیْنَ اللّٰہِ وَسُنَّتِیْ عَلٰی یَدَیْہِ (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے بعد عنقریب ہی ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام نعمان بن ثابت اور کنیت ابو حنیفہ ہوگی، اللہ کا دین اور میری سنت اس کے ہاتھ سے (یعنی اس کی بدولت) بہت تقویت پائیں گے) پھر بعض منچلے اور بدترین متعصب احناف نے امام شافعیؒ کی مذمت کرتے کرتے یہ حدیث بھی مشہور کر دی کہ (۷) یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ مُحَمَّدُ بْنُ اِدْرِیْسَ اَضَرُّ عَلٰی اُمَّتِیْ مِنْ اِبْلِیْسَ (یعنی سرور دو عالم نے جہاں امام اعظمؒ کے محامد و فضائل کا ذکر کیا اور امت کو بشارت دی وہاں امام شافعیؒ کی مذمت اور اُن کا دنیا کے لئے مضر ہونا بیان کر دیا نعوذ باللہ من ذٰلک) چنانچہ اصل عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ "میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کا نام محمد بن ادریس شافعیؒ ہوگا اُس کا وجود میری امت کے لئے شیطان سے بھی زیادہ مضر اور خطرناک[2] ہوگا"۔ امام صاحبؒ کی توصیف بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام موصوف کا وہ مرتبہ ہے کہ

---

[1] گویا یہ حدیث پہلی حدیث کے بعد جب اعتراض ہوا تو جواباً بنائی گئی کہ امام صاحب کا دوسرے ابو حنیفوں سے کچھ امتیاز ہو جائے۔ خیر خوش رہ

[2] چاروں اماموں کو برحق کہنے والو! اور اپنی کتب فقہ اور وضعی احادیث پر بھروسہ کرنے والو! ذرا خدا لگتی کہنا کہ تمہارے تعصب کی کوئی حد باقی رہ گئی؟ اہلحدیث کو تو اماموں کا دشمن کہہ کر بدنام کیا جائے اور خود ایک جلیل القدر امام کو شیطان سے بھی بدتر کہہ دو۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ۔ ۱۲ منہ

حضرت خضر علیہ السلام [illegible] ان سے پڑھتے تھے، چنانچہ پانچ برس تک امام صاحبؒ کی زندگی میں روزمرہ صبح کو حاضر ہو کر امام صاحبؒ سے علم حاصل کرتے رہے، جب امام صاحبؒ کی وفات ہو گئی تو خضرؑ نے بارگاہِ الٰہی میں بڑی تضرع کی آخر اجازت ملی کر قبر پر جا کر سیکھا کریں، تو پچیس ۲۵ برس تک امام صاحبؒ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر تحصیلِ علم کرتے رہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ خضرؑ نے جو امام صاحبؒ سے علم شرع محمدی حاصل کیا تھا وہ انہوں نے امام قشیریؒ کو سکھا دیا، امام قشیریؒ نے کتابیں تصنیف کر کے ایک صندوق میں بند کر کے دریائے جیحون میں ڈال دیں، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو انہیں کتابوں کو نکال کر ان پر عملدرآمد کریں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مہدی بھی حنفی مذہب کے مقلد ہوں گے۔

الغرض کہاں تک لکھا جائے، محامد و فضائلِ امام میں جو کچھ کسی نے لکھا ہے وہ مبالغہ سے بھرے اور کذب و افتراء اور اپنے اختراع و تصنع پر مبنی ہے۔ چنانچہ جس کو تفصیل مطلوب ہو وہ موضوعات میں دیکھ لے اور موضوعات شیخ قاسم حنفی و ملا علی قاری و شیخ عبدالحق دہلوی و مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین مطالعہ کرے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے جہاں اسباب وضع حدیث کے بیان کئے ہیں وہاں ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ مقلدین نے اکثر شدتِ تعصب کی وجہ سے اپنے اپنے مقصد اور مطلب برآری کے لئے حدیثیں بنائیں، چنانچہ لکھتے ہیں:- وَالْحَامِلُ لِلْوَاضِعِ عَلَى الْوَضْعِ اَمَّا عَدَمُ الدِّيْنِ اَوْ فَرْطُ الْعَصَبِيَّةِ كَبَعْضِ الْمُقَلِّدِيْنَ اِنْتَهٰى (ملخصاً نزہۃ النظر ص۵۲)

مسئلہ تقلید

غالباً ناظرین کرام اس فرقہ بندی کی سلسلہ وار تاریخ پڑھنے کے بعد اب ہمارے ساتھ یہ کہنے پر متفق ہو گئے کہ تقلیدِ شخصی ہی وہ بدعت ہے جو سب سے اول جاری ہوئی اور جس کی بدولت دینِ اسلام میں ضعف آ گیا اور اس کا شیرازہ بکھر گیا، جماعت منتشر ہو گئی اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے عظام و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ساری محنت و تگ و دو جو وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا پر صرف کی گئی تھی اور جن کی کوشش و سعی سے صدیوں کے بچھڑے ہوئے مل گئے اور سالوں کے کٹے ہوئے مجڑ گئے تھے اکارت گئی، لہٰذا ضروری ہے کہ اس مسئلہ کو جو تمام اختلافات کی جڑ اور تنازعات کی اصل بنا ہے قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے۔ سب سے پہلے ہم تقلید کے معنی پھر اس کے شروع ہو جانے کی وجہ اور اس کی ترقی کے اسباب ذکر کریں گے، اس کے بعد اس کی تردید قرآن و تفاسیر و کتب احادیث و فقہ اور اقوالِ صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین بلکہ خود چاروں اماموں کے اقوال سے نقل کریں گے تاکہ موافق اور مخالف کو اس پر

غور کرنے کا موقعہ ملے اور ارباب بصیرت و منصف مزاج حضرات حق و باطل میں خود بخود تمیز کر سکیں۔

تقلید کے معنی

(۱) اوّل باعتبار لغت از غیاث اللغات مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۰۳ تقلید گردن بند در گردن انداختن و کار بعہد کے ساختن و بر گردن خود کار گرفتن و مجازاً بمعنے پیروی کسے بے دریافت حقیقت آں: (ترجمہ) گردن بند گلے میں ڈالنا اور کسی کی ذمہ داری پر کام کرنا اور اپنی گردن پر کوئی کام لے لینا اور معنی مجازی یہ ہیں کہ کسی کی تابعداری بغیر حقیقت معلوم کئے کرنا۔ ایضاً کتاب بہار عجم جلد دوم مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۷ قلادہ بالکسر گردن بند (گلے کا پٹا) قلائد "جمع کتارہ"

(۲) دوم باصطلاح شرع تقلید یہ ہے جس کی بابت ملا علی قاری حنفی اپنی کتاب شرح قصیدہ امالی مطبوعہ یوسفی دہلی صفحہ ۳۴ میں لکھتے ہیں:۔ وَالتَّقْلِيْدُ قَبُوْلُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا دَلِيْلٍ فَكَاَنَّهٗ لِقَبُوْلِهٖ جَعَلَهٗ قِلَادَةً فِيْ عُنُقِهٖ (ترجمہ) تقلید قبول کرنا قول غیر کا بغیر ثبوت کے پس گویا کہ اس مقلد نے بوجہ قبول کر لینے اپنے امام کے قول کو اپنے گلے کا ہار بنا لیا۔

(۳) ایضاً مسلم الثبوت بحر العلوم مطبوعہ نولکشور صفحہ ۶۲۴ پر ہے اَلتَّقْلِيْدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ یعنی تقلید عمل کرنا ہے قول غیر پر بلا دلیل کے۔

(۴) عقد الفرید میں ملا حسن شرنبلالی حنفی فرماتے ہیں کہ حَقِيْقَةُ التَّقْلِيْدِ الْعَمَلُ بِقَوْلِ مَنْ لَيْسَ اِحْدَى الْحُجَجِ الْاَرْبَعَةِ الشَّرْعِيَّةِ بِلَا حُجَّةٍ مِّنْهَا فَلَيْسَ الرُّجُوْعُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاِجْمَاعِ مِنَ التَّقْلِيْدِ لِاَنَّ كُلًّا مِّنْهُمَا حُجَّةٌ شَرْعِيَّةٌ مِّنَ الْحُجَجِ الشَّرْعِيَّةِ (ترجمہ) اصل تقلید کی ایسے شخص کے قول پر عمل کرنا کہ جس کا قول چاروں حجتوں شرعیہ میں سے نہ ہو اور اس کے قول پر عمل کرنے کی کوئی حجت شرعی ہو سو رجوع کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف تقلید نہیں ہے اس لئے یہ دونوں حجت شرعیہ میں سے ہیں (معیار الحق مطبوعہ رحمانی صفحہ ۲)

(۵) مغتنم الحصول میں فاضل قندھاری حنفی فرماتے ہیں کہ اَلتَّقْلِيْدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ مَنْ لَيْسَ قَوْلُهٗ مِنَ الْحُجَجِ الشَّرْعِيَّةِ بِلَا حُجَّةٍ فَالرُّجُوْعُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِلَى الْاِجْمَاعِ لَيْسَ مِنْهُ (ترجمہ) تقلید اس شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنا ہے جس کا قول حجتوں شرعیہ میں سے نہ ہو سو رجوع کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف تقلید نہ ٹھہری۔ (ایضاً)

(۶) ملا سبکی شرح جمع الجوامع جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ پر لکھتے ہیں کہ اَلتَّقْلِيْدُ اَخْذُ الْقَوْلِ مِنْ غَيْرِ

مَعْرِفَةِ دَلِيْلِهٖ یعنی کسی کے قول کو اس کے جاننے کے بغیر قبول کرنا تقلید ہے۔

(۷) اعلام الموقعین مطبوعہ اشرف المطابع جلد ۱ ص۲۱۸ میں ہے وَقَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ بْنُ خواز منداد الْبَصْرِیُّ الْمَالِکِیُّ التَّقْلِیْدُ مَعْنَاہُ فِی الشَّرْعِ الرُّجُوْعُ اِلٰی قَوْلِہٖ لَا حُجَّۃَ لِقَائِلِہٖ وَذٰلِکَ مَمْنُوْعٌ مِنْہُ فِی الشَّرِیْعَۃِ وَالْاِتِّبَاعُ مَا ثَبَتَ عَلَیْہِ حُجَّۃٌ ۔ یعنی ابوعبداللہ بن خواز منداد بصری مالکی فرماتے ہیں کہ تقلید کے شرعی معنے یہ ہیں کہ ایسے شخص کی طرف رجوع کرنا جس کا قول حجت نہیں ہے شریعت نے ایسی تقلید سے منع کیا ہے اور اتباع وہ ہے کہ جس پر دلیل ہو۔

مذکورہ بالا عبارت کو بغور ملاحظہ فرمائیے اور پھر تقلید کی اصلیت کو سمجھئے جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ بغیر دلیل قرآن و حدیث کے کسی امام یا فقیہ کی بات مان لینا تقلید ہے ...... کیا کوئی عقلمند مسلمان ان معنوں کی تقلید کو جو حقیقی تقلید ہے پسند رکھتا ہے؟ اگر رکھتا ہے اور مانتا ہے تو یقیناً وہ غلطی پر ہے اور جو اندھا دھند کسی کے قول کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے بلکہ وہ دلیل کا طالب اور بات بات پر ثبوت طلب کرتا ہے جیسا کہ فی زمانہ اکثر مقلدین اور احناف کر رہے ہیں، تو پھر صاف کہئے کہ یہ مقلد نہیں ہیں بلکہ محقق ہیں یا بالفاظ دیگر متبع ہیں۔ تقلید اور اتباع کے فرق کو مذکورہ بالا عبارت سے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

تقلید کی ابتداء

ناظرین یا مکین تقلید کے معنے اور مفہوم کو سمجھ کر غالباً یہ کہہ اٹھیں گے کہ اگر تقلید ایسی ہی مذموم اور بری چیز ہوتی تو ملک میں بایں کثرت کیوں پھیل جاتی، ہم اس کی تشریح اور تقلید کی ابتدائی منازل کا ذکر واضح طور پر کھولنے کے لئے آپ کی توجہ آپ کے ملکی مراسم کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ جب آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوا اور ہوتا رہتا ہے کہ کوئی طریقہ یا رسم یا طرز عمل کسی اتفاقی وجہ سے یا کسی خاص مصلحت کی بناء پر شروع ہوتا ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ اتفاقی وجہ اور وہ خاص مصلحت تو بالکل حرام ہو جاتی ہے اور طریقہ یا طرز عمل اپنی ایک مستقل شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ جس کسی نے کبھی اپنے ملکی رسوم و رواج (جو بیاہ شادی اور مرنے پر پیش آتے رہتے ہیں) کے اصل کی تحقیقات پر تھوڑی سی بھی توجہ کی ہے اور دیکھنا چاہا ہے کہ رسوم کی ابتداء کیونکر ہوئی ہے اور ان کی ابتدائی حالت کیا تھی اور اب کیا ہے اس پر یہ سارا معاملہ بھی اظہر من الشمس اور تقلید کا عقدہ بھی حل ہو جائے گا۔ ہمارے ملک میں بیشمار شادی و غم کی ایسی رسمیں مقرر ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ چلی آتی ہیں کہ جو یا کسی غیر قوم کی صحبت اور مخالطت سے پیدا ہو گئیں یا پہلے زمانہ میں کسی بزرگ یا صاحب رائے نے کسی خاص ضرورت یا مصلحت کی بناء پر یا مقتضائے وقت کے لحاظ

سے اتفاقی طور پر لے لیا مگر بعد میں اُن کے معتقدین اصلی منشاء سے بالکل بے خبر ہو کر ان مراسم کو امور دینی و شعائر اسلامی سمجھنے لگ گئے۔ سچ ہے ؎

کفر گیرد کاملے ملّت شود ہر چہ گیرد علتے علت شود

پس تقلید کو بھی اسی قبیل سے تصور فرمایئے۔ تبع تابعین کے زمانہ میں یا اس سے کچھ زمانہ پہلے اور زمانہ مابعد میں کچھ علماء ایسے خیال کے ہوئے جو روایتِ حدیث سے (بخوف کچھ زیادتی کمی ہو جانے یا کسی قدر غلطی پڑ جانے کے) ڈرتے اور حدیث کے شغل سے بچتے تھے اور یہ لوگ مسائل میں ضرورت کے وقت بہ نسبت حدیثِ رسولؐ روایت کرنے کے بہتر سمجھتے تھے کہ اپنے سے پہلے کسی عالم یا اپنے وقت کے مشہور عالم کے قول سے سند پکڑ کر سبکدوش ہو جائیں۔ گو ایک حد تک اُن کا یہ خیال صحیح تھا کہ حدیثِ نبویؐ کی روایت میں ہم سے کمی بیشی نہ ہو اور علماء وقت کے اقوال جو احادیثِ نبویہ کے مطابق ہی ہیں، ہم اُن سے استفادہ حاصل کریں مگر باوجود اس صحیح خیال کے انہوں نے ستم یہ کیا کہ ایک عالم کو جن پر اُن کو زیادہ اعتماد اور بھروسہ ہوتا اپنا پیشوا بنا لیتے اور پھر جو مسئلہ اُن کے اقوال سے صاف اور صریح معلوم نہ ہوتا بجائے دوسرے کے طرف رجوع کرتے اور اس سے دریافت کرنے کے وہ انہوں کے اقوال کو کریدتے اور گھسیٹ گھساٹ کر اسی سے کچھ نہ کچھ تخریج اور استنباط کر لیتے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (خدا اُن کو غریقِ رحمت کرے) جو ہمارے لئے مایۂ ناز و باعثِ صد افتخار ہیں اور ہندوستان کے لئے ابرِ رحمت ثابت ہو چکے ہیں، اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں بالتفصیل اس معاملہ کو کھولتے ہیں اور ہمارے اس بیان کی تصدیق کے لئے اس وقت کے چند بزرگوں کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں :۔

"امام شعبیؒ کہتے تھے کہ ہم بات کو رسولؐ سے نیچے کسی عالم کے قول پر ختم کر دیں، یہی زیادہ ہم کو پسند ہے اس لئے کہ نقل میں کچھ زیادتی یا کمی ہو تو اور ہی کی بات میں ہو رسولؐ کی حدیث میں تو نہ ہو۔"

"حضرت ابراہیمؒ جو امام ابو حنیفہؒ کے استاذ الاستاذ تھے فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں کسی مسئلہ کے بنانے میں یہ کہہ دوں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے یوں کہا ہے یا علقمہ نے کہا تو یہ ہم کو زیادہ پسند ہے اس سے کہ حدیثِ رسولؐ سے استدلال بیان کروں۔"

پس ان دو معتبر شہادتوں سے ظاہر ہو گیا کہ اس زمانہ میں کچھ لوگوں نے حدیثِ نبوی کو (ایک نیک خیال سے) چھوڑ کر اپنے وقت کے علماء کے اقوال کو قابلِ حجت جان لینا اور براہ کسر نفسی اپنے آپ کو اس لائق ہی نہ سمجھا کہ حدیثِ رسول کو صحیح روایت کر سکیں گے چنانچہ یہی باعث ہوا کہ اُن کے پاس احادیثِ رسول

اور آثارِ صحابہؓ کا ذخیرہ اس قدر جمع نہ ہو سکا کہ وہ اُن سے مسائل استنباط کرتے اور نہ ہی اُن کے دلوں نے اس امر کی اجازت دی کہ وہ اپنے اساتذہ اور اماموں کے اقوال کو چھوڑ کر کہ جن کے وہ معتقد ہو چکے ہیں، دوسروں کی طرف جائیں اور اَور شہروں کے علماء کے اقوال کو دیکھیں اور اُن کو جمع کریں اور اُن میں راجح و مرجوح کو معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ الحاصل یہ جماعت جو اہل الحدیث کے مقابلہ میں اہل الرائے کہلاتی تھی جب بڑھتی گئی اور انہوں نے حدیث کا شغل کم کر دیا اور مسائل میں متقدمین کے اقوال پر اعتماد کرنا اور انہی کو سند میں لانا اپنا وطیرہ بنایا اور اس طرزِ عمل نے لوگوں کو علماء کے اقوال پر بھروسہ کر لینے اور انہیں حجت سمجھ لینے کی تعلیم عام کر دی تو بس یہیں سے تقلید پیدا ہو گئی۔ گو یہ طرزِ عمل ابتداءً تو ایک نیک نیتی اور خاص احتیاط پر مبنی تھا لیکن بعد کو جبکہ احادیث جمع ہو گئیں اور روایتِ حدیث کا بارِ گراں اللہ تعالےٰ کے دلیر بندوں کے ایک دوسرے گروہ نے اپنے سر پر لے کر اس کو انجام و کمال تک پہنچا یا (جس کی برکت سے آج تک دین محفوظ اور حق و ناحق ممتاز رہا اور انشاء اللہ ہمیشہ تک رہے گا) تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ حدیثِ رسولؐ کو محل استدلال سے نظر انداز کیا جاتا اور ہر موقع پر علماء کے اقوال پر اعتماد اور انہیں کو دلیل و سند قرار دیا جاتا مگر وہ ایک دستور تھا جو پڑ چکا جس نے لوگوں کو علماء کی تقلید اور انہیں کے اقوال پر کاربند رہنے کا طریقہ سکھا دیا، ہم مانتے ہیں کہ پہلے زمانہ کے اہل الرائے اپنی خاص احتیاط کے خیال کی بناء پر معذور تھے مگر مابعد کے لوگوں نے ان کی اصلی وجہ کو جس کے سبب سے وہ ایسا کرتے تھے نظر انداز کر دیا اور بلا اصلی منشاء کے لحاظ کئے ہوئے وہی کرنے لگے جو وہ لوگ کرتے تھے۔ ہاں یہ بھی یاد رہے کہ پہلے زمانہ کے اہل الرائے مقلد نہ تھے اور نہ اُن کا مذہب تقلید تھا۔ (تقلید تو اس طرزِ عمل کی ترقی اور استحکام کے بعد ظہور میں آئی) اگر آج کل کے مقلد تقلید کو ثابت کرنے کے لئے اس امر پر زور دیں کہ وہ بھی مقلد تھے اور تقلید اُس وقت شروع ہو چکی تھی تو پھر اُن کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی مقلد تھے کیونکہ وہ بھی اُسی اہل الرائے کی محتاط جماعت میں سے تھے حالانکہ امام ابوحنیفہؒ کا مقلد ہونا کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا کیونکہ احناف کا یہ اپنا مسئلہ ہے کہ مجتہد کو تقلید حرام ہے۔